انسٹیٹیوٹ میں ایک چوزے کے قلب کی بافت کا ایک ٹکڑا علیحدہ کیا اور اس کو خاص آلے میں رکھ دیا اور دعوے کیا کہ وہ کبھی فنا نہ ہوگا۔ اس کو بالآخر پھینک دیا گیا کیونکہ تجربہ صدیوں تک کیا جا سکتا تھا۔

ہم جس کو طبعی موت کہتے ہیں وہ غالباً ارتقار کے ساتھ ساتھ آئی ہے۔ پیرامیسیم کو جس طرح کی "بقا" حاصل ہے وہ لاکھوں برس ادھر ہاتھ سے جاتی رہے جب کہ حیوانی دنیا میں یک خلیہ ہستیوں کی بجائے پیچیدہ تر اور کارگزار ترکثیر خلیہ مخلوق نے لے لی۔

انسان کی پیچیدگی نے اس کو فنا کے گھاٹ اُتار دیا۔ ہم اس لئے فنا ہو جاتے ہیں کہ ہمارے جسم کے اندر خلیوں کا ایک گروہ دوسرے کا ساتھ نہیں دیتا۔ "جگر" اگر ساتھ چھوڑ دے تو "کل" کو فنا کر دیتا ہے اگرچہ دل گردے اور پھیپھڑے اپنی اپنی جگہ بالکل درست ہیں۔ جب ہم مرتے ہیں تو ہمارا "کل" ایک دم فنا نہیں ہو جاتا۔ جب کسی فرد کو قانونی طور پر مردہ تصور کر لیا جاتا ہے تو بھی ہمارے 'کل' کے بعض اعضا، پورے طور پر "زندہ" رہتے ہیں۔ جسم کے ہر عضو کی 'شرح موت' جداگانہ ہے۔ سائنس داں اب اس 'واقعہ' کی تفصیلات حاصل کرتے جا رہے ہیں۔ اور اس طرح امید کرتے ہیں کہ بعض خاص قسم کی موت کو روکا جا سکے گا۔

'شرح تحلیل' کا انحصار غالباً تپش (ٹمپریچر) پر ہے۔ چنانچہ فعلیات (فزیالوجسٹ) کے ایک ماہر ژاک لوئب نے پھلوں کی مکھی کی زندگی میں ۹۰ فی صد کا اضافہ تپش میں دو تہائی کمی کر کے کر دیا۔ ان کا خیال ہے کہ اگر انسانی جسم کی تپش کو ۴، ۹۸ درجہ فارن ہائٹ سے اُتار کر ۳، ۹۴ درجہ پر لے آیا جائے تو انسانی زندگی ۱۹۰۰ برس تک بڑھائی جا سکتی ہے۔ لیکن مشکل یہی ہے کہ فطرت ۴، ۹۸ درجہ کی تپش قائم رکھتی ہے خواہ کوئی گرم ممالک کا باشندہ ہو یا سرد ممالک کا جیسے اسکیمو۔

عمل جراحی کے وقت جن لوگوں کا قلب رُک جاتا ہے اس کو دوبارہ جاری کرنے میں ڈاکٹروں کو جو نئی معلومات حاصل ہوئی ہیں اُن سے توقع ہو چلی ہے کہ موت کو بھی ٹالا جا سکتا ہے۔ وہ طبی موت اور خلیاتی موت میں تفریق کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض سائنس دانوں کا خیال ہے کہ حیاتی بقا نہ بھی حاصل ہو تو بھی انسان اپنی زندگی کو طویل تر کر سکتا ہے اس لئے بعض لوگوں کا خیال ہو گیا ہے